

حمید الدین فراہی

ترتیب: خالد مسعود

انسان کے لئے سعادت کی انتہا یہ ہے کہ وہ رملائے الہی کے حصول اور عہد فطرت کے ایفا کی جدوجہد کرے اور اللہ تعالیٰ کی غلامی اور اس پر دلی خوشی اور اطمینان کی کیفیت سے سرشار ہو۔ اس انتہائے سعادت تک پہنچنے کا وسیلہ قرآن مجید سے فائدہ اٹھانا اسے سیکھنا اور سکھانا، اس پر عمل کرنا اور لوگوں کو اس کی ترغیب دینا ہے۔ قرآن کریم سے آدمی کا یہ تعلق اس کے ایمان و اسلام کی تصدیق کرتا اور اس فطرت انسانی کی تکمیل کرتا ہے جو مسجود ملائکہ بنی تھی۔ انتہائے سعادت کی طرف بلند ترین ذریعہ قرآن سے یہی تعلق ہے جب کہ ابتدائی ذریعہ انسان کی خاص صفت گویائی (نطق) کی تربیت ہے جو انسان کی تمام قلبی و ذہنی صفات کی تکمیل کا ذریعہ بنتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں انسان کی صفت گویائی جب صحیح خطوط پر ارتقا کرے اور اس میں کجی واقع نہ ہو تو اس کی منزل قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بولنے اور پڑھنے والا اسی لئے بنایا کہ وہ اس ہدایت کو حاصل کرنے کے قابل ہو سکے جس کا وعدہ اس کے رب نے اس کے ساتھ کر رکھا ہے اور اللہ کی نشانیوں اور کلام سے فائدہ اٹھا سکے تاکہ اس کے اتارے ہوئے نور سے روشنی پائے اور اس پر رب کی نعمت اور رحمت کی تکمیل ہو۔ قرآن میں ارشاد ہوا:

خداے رحمن نے قرآن کی تعلیم دی۔

الرَّحْمَنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ خَلَقَ

اسی نے انسان کو پیدا کیا، اسی نے اس کو

الْإِنْسَانُ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝

بولنا سکتا ہا۔

(الرحمن : ایتام)

ہم نے جو کچھ اوپر بیان کیا اس کی طرف ان آیات میں نہایت مختصر الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ابتدا اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ذکر سے کی کیونکہ وہی رحمت اور تعلیم کا آغاز کرنے والی ہے۔ پھر یہ بتایا کہ خدا کی رحمت کی تشکیل قرآن مجید کی تعلیم کے ذریعہ سے ہوئی۔ پھر فرمایا کہ خدا نے رحمان نے ہی ہمیں زندگی بخشی اور بولنا سکھایا تاکہ تم قرآن مجید کی یہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یہیں سے سنن ابن ماجہ کی اس روایت کی حکمت واضح ہوتی ہے کہ خدیوہ کم سن تھیں ان کے علمہ (تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو چونکہ اللہ تعالیٰ سے سیکھا اور امت کو اس کی تعلیم دی، اس لئے حضور اکرم بلا شک و شبہ سب سے بہتر انسان تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے اچھے وہ ہیں جنہیں حضور نے تعلیم دی اور انہوں نے اگے یہ علم پھیلایا۔ علیٰ ہذا القیاس، فرق مراتب کے ساتھ اسباب و وسائل کی کثرت و قلت، خلوص نیت اور استقلال کی کمی بیشی کے مطابق دوسرے لوگوں کا درجہ ہے۔ پروردگار کی تعلیم قبول کرنے اور اس کے بندوں تک اس کو پہنچانے سے بڑی بھلائی کیا ہو سکتی ہے؟ انسان کے لئے اس سے بڑھ کر خیر و برکت کی چیز بھلا کیا ہوگی کہ وہ اس مقصد کو پالے جس کے لئے اللہ نے اسے پیدا کیا؟ اگر تم یہ کہو کہ خدا نے تو انسان کو عمومی طور پر عبادت کے لئے پیدا کیا تھا پھر وہ اس کو قرآن کے سیکھنے سکھانے کے مخصوص کام کے لئے کیوں تیار کرنا چاہتا ہے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ ہر قوم خدا ہی کی عبادت کی دعویٰ دے رہی ہے مگر اس کی عبادت باطل اور ضائع ہوتی ہے جب تک وہ رب کی تعلیم اور ہدایت کے مطابق نہ ہو۔ قرآن تو ہے ہی رب کی تعلیم اور ہدایت۔ اس اعتبار سے یہ عبادت کی بنیاد، اس کا محور اور عبودیت کا مغز اور جوہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی تلاوت عبادت قرار پائی ہے۔

قرآن فہمی کا دار و مدار تدبیر پر ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَنَافِي

پیدا کیا جو زمین میں ہے۔

(بقراء: ۶۹)

الْأَرْضِ جَمِيعًا

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم زمین کی بے شمار اشیا کو اپنے استعمال میں لاتے ہیں۔ ان میں سے کتنی اشیا ایسی ہیں جن کو ہم پہلے بے خبری میں استعمال کرتے رہے لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے علم میں اضافہ کر دیا تو ہم نے ان کو اپنے لئے مزید نفع بخش بنالیا۔ کتنی اور چیزیں ایسی ہیں جن کے فوائد ہم پر ابھی تک مخفی ہیں۔ ہم روز بروز ان کے بارے میں اپنی معلومات کو بہتر بنا رہے ہیں اور ایسا کرنے کے بعد ان کو استعمال میں لائیں گے۔ اس کے باوجود لاتعداد اشیا پھر بھی ایسی باقی رہ جائیں گی جن کے اسرار سے ہم واقف نہ ہو سکیں گے۔ ٹھیک یہی حال علوم کا ہے۔ ان میں بھی روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور جب تک اللہ چاہے گا یہ اضافہ ہوتا رہے گا۔

علیٰ ہذا القیاس، قرآن کی صفت یہ ہے کہ یہ بیان کا سہل ترین طریقہ اختیار کرتا ہے اور یہ اپنے مفہوم میں واضح اور روشن کتاب ہے۔ اسی بنا پر اس کو نور اور تفصیل قرار دیا گیا ہے۔ لیکن یہ نور اسی معنی میں ہے جس معنی میں سورج آنکھیں رکھنے والوں کے لئے ایک واضح چیز ہے۔ وہ اندھوں کو نظر نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن اپنے قارئین سے تدبر، تفکر اور قوسم کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور یہ پڑھنے والے پر اسی قدر کھلتا ہے جتنا وہ اس پر غور کرتا ہے۔ یہ کتاب اگرچہ ہمیشہ سے نفع بخش، ہدایت دینے والی اور واضح ہے لیکن اس کے ساتھ یہ گہری حکمتوں اور ادب کی باریکیوں کا سرچشمہ بھی ہے۔ جس طرح دوسرے علوم میں آدمی جوں جوں ترقی کرتا ہے وہ معلوم سے غیر معلوم تک رسائی حاصل کرتا چلا جاتا ہے، اسی طرح قرآن مجید میں بھی ارشاد ہوا:

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادْهُمْ
هُدًى وَآلَهُمْ مَقْوَمٌ
اور ان کے حصہ کا تقویٰ ان کو عطا کیا۔ (محمد: ۱۷)

یعنی جو لوگ ہدایت پاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے علم اور عمل میں اضافہ فرماتا ہے۔

قرآن کے ظاہر سے اس کے باطن تک رسائی

قرآن مجید کے بعض پہلو ظاہر ہیں۔ ان سے جب ہم رہنمائی حاصل کرتے ہیں تو اس

باطن سے آگاہ ہوتے ہیں جو اس ظاہر کے پیچھے چھپا ہوتا ہے۔ اب وہ باطن ہمارے لئے ظاہر کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ اگر ہم قرآن پر برابر غور و فکر کرتے رہیں تو قرآن فہمی میں ہم درجہ بدرجہ ترقی کرتے جاتے ہیں لیکن قرآن کے عجائب ختم نہیں ہوتے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہر ظاہر باطن کی تہید ہوتا ہے۔ تدبیر کرتے وقت ہم نہ کسی کلمہ کو اس کی جگہ سے ہٹاتے اور نہ قرآن کے معانی ظاہر کے خلاف کرتے ہیں۔ اس کے باوجود ایک کے بعد دوسری نئی حقیقت روشنی میں آجاتی ہے۔ اس معاملہ کو یوں سمجھ جیسے ہم ایک شعر پڑھتے ہیں اور اس کے معنی سے واقف ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد غور کرتے ہیں تو اس کے اندر صنعت اور بدیع کی بعض خوبیوں سے آگاہ ہوتے ہیں۔ مزید غور کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا معنوں عین حق ہے اور کئی حکمتوں سے برمہ کر نفع بخش ہے۔ شعر پر جتنا زیادہ غور کرتے ہیں تو نئی معلومات کی نوعیت یہ نہیں ہوتی کہ وہ ابتدائی مفہوم کے خلاف ہو جائیں بلکہ یہ علم پر اضافہ در اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں ہم نے شعر کا وہ مفہوم نہیں بدلا جو آغاز میں سمجھا تھا بلکہ شعر کے محاسن ہم پر واضح ہوئے۔

اب ایک دوسری مثال پر غور کرو۔ آپ دور سے نہایت متناسب تعمیر کا ایک محل دیکھتے ہیں تو اس کے قریب جاتے ہیں۔ جوں جوں آپ اس کے نزدیک ہوتے ہیں اس کی ترکیب اور نقوش کی خوبیاں آپ کے علم میں آتی ہیں۔ پھر آپ اس کے اندر داخل ہو جاتے ہیں تو وہاں ایسا ساز و سامان پاتے ہیں جس کو دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی اور آپ کا دل لذت پاتا ہے۔ اگر آپ کو اس محل میں ٹھہرنے کا موقع ملتا ہے تو آپ محسوس کرتے ہیں کہ اس کے کمروں کی ساخت ایسی ہے جس سے طبیعت کھلتی ہے اور گرمی اور سردی دونوں کی ضروریات کا اس میں لحاظ رکھا گیا ہے۔ آپ اس میں سونے، آرام کرنے اور نہانے کے کمرے موجود پاتے ہیں۔ وہاں پاکیزہ مشغلوں کے لئے سروسامان موجود ہے، لذت کھانے اور شیریں و خوشگوار مشروب میسر ہیں۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کے بعد کسی گوشے میں آپ کو ایک خفیہ دروازہ نظر آتا ہے اور اس کو کھولنے کی چابی ہاتھ آجاتی ہے۔ اس کو کھولتے ہی آپ ایک ایسے خزانے میں جا پہنچتے ہیں جس میں موتیوں، یاقوت اور قیمتی پتھروں

کا کوئی شمار نہیں۔ اس کو پا کر آپ کے سرور و مسرت میں بے حد اضافہ ہو جاتا ہے۔ پھر اس خزانے کے ایک ایسے حصے میں آپ جا پہنچتے ہیں جس کو آج تک نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال ہی آیا۔ ٹھیک یہی صورت حال قرآن مجید پر غور و فکر کے دوران پیش آتی ہے اور اس پر تدبر کرنے والا برابر نئے نئے حقائق سے آگاہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ نئے حقائق قرآن کے ظاہر کے منافی نہیں ہوتے بلکہ علم میں اضافہ پر اضافہ ہوتے ہیں۔

ایک حقیقت دوسری حقیقت کی راہ کھولتی ہے

جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ قرآن کا باطن اس کے ظاہر کے نیچے چھپا ہوتا ہے تو یہ اس اعتبار سے ہے کہ ایک حق دوسرے حق کے ساتھ موافقت رکھتا ہے جب کہ باطل اس وقت زائل ہو جاتا ہے جب اس کے مقابل میں حق ابھائے اللہ تعالیٰ نے جس طرح تاریکی کو ختم کرنے کے لئے روشنی اور ہر عقدہ کا حل پیدا کر دیا ہے، اسی طرح ہر باطل کے مقابل میں اس نے حق کو بھی پیدا کیا ہے۔ اگر باطل پر حق کو غلبہ حاصل نہ ہو سکتا تو دونوں کا معاملہ یکساں ہو جاتا اور یہ ماننا پڑتا کہ مجبوراً ایک نہیں دو ہیں، بلکہ دوسے بھی زیادہ ہیں کیوں کہ باطل کی شکلیں لاتعداد ہیں۔ اس صورت میں دنیا ہر قسم کے نظم اور حکمت سے خالی ایک کھلونا قرار پاتی۔ مزید یہ ہوتا کہ چونکہ باطل اور باطل میں ٹکراؤ ہوتا ہے اس لئے دنیا فساد کا شکار ہو جاتی۔ پس دنیا کا وجود حق کی حکمرانی اور پائیداری کی دلیل ہے۔ مزید برآں یہ اسس بلند و بالا حق کی دلیل ہے جو دنیا کے وجود کا آغاز بنا۔

قرآن مجید نے یہ تمام حقیقت خود بیان کر دی ہے۔ فرمایا:

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ سَهُوًّا

اِسْرَاءُ: ۸۱) نابود ہونے والی چیز ہے۔

اس دلیل کو دوسری جگہ زیادہ واضح کر دیا ہے فرمایا:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِيُبَيِّنَ

بَيْنَهُمَا لِيُبَيِّنَ لَكُمْ آيَاتِنَا وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ

ہے۔ اگر ہم کوئی کھیل ہی بنانا چاہتے تو خاص اپنے پاس ہی بنالیتے۔ اگر ہم یہ کرنے والے ہی ہوتے! بلکہ ہم حتیٰ کو باطل پرورے ماریں گے تو وہ اس کا بھی انکال دے گا تو دیکھو گے کہ وہ نابود ہو کے رہے گا۔ اور تمہارے لئے اس چیز کے سبب سے جو تم بیان کرتے ہو بڑی خرابی ہے۔ اور اسی کے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور جو اس کے پاس ہیں۔ وہ اس کی بندگی سے زسرتابی کرتے اور نہ تھکتے۔ وہ شب و روز اس کی تسبیح کرتے ہیں اور دم نہیں لیتے۔ کیا انھوں نے زمین کے الگ معبود ٹھہرائے ہیں، وہ زمین کو مشاداب کرتے ہیں؟ اگر ان دونوں کے اندر اللہ کے سوا الگ الگ الہ ہوتے تو یہ دونوں درہم برہم ہو کر رہ جاتے۔ تو اللہ، عرش کا مالک، ان چیزوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔

لَهُوَ الْأَتَّخَذْنَهُ مِنْ لَدُنْكَ إِن كُنتَ
فَاعِلِينَ ۝ بَلْ نَقُذِرُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ
فَيْدُمُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَوَكَّلَهُ
الْوَيْلُ بِمَا يَصِفُونَ ۝ وَلَهُ مَنْ فِي
السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ عِنْدَكَ لَا
يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يُخْشَوْنَ ۝
يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ۝
أَمْ اتَّخَذُوا إِلَهَةً مِنَ الدُّنْيَا هُمْ
يُشْرِكُونَ ۝ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا
اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَنَ اللَّهُ رَبِّ الْعَرْشِ
عَمَّا يَصِفُونَ ۝ (النبا ١٤-٢٢)

کھیل خاص اپنے پاس ہی بنا لیتے، کا مفہوم یہ ہے کہ تمہیں مصیبت میں مبتلا نہ کرتے اگر ہم یہ کرنے والے ہی ہوتے، کا مفہوم یہ ہے کہ یہ بات ماننا ہمارا ذات کے حوالے سے بعید از فہم ہے۔ پھر اپنے مقرب ملائکہ کے بارے میں وضاحت کی ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں، ان میں کوئی الہ نہیں۔ وہ تو کھیل میں بھی دل چسپی نہیں رکھتے بلکہ تسبیح میں مشغول رہتے ہیں۔ یہی حال ان فرشتوں کا ہے جو زمین میں ہوتے ہیں۔ وہ زمین کو شاداب کرنے کا فرض انجام دیتے ہیں۔ الوہیت کے لئے وہ بھی موزوں نہیں۔ لہذا واحد متصرف ذات اللہ کی ذات ہے۔ اسی کے قبضہ میں آسمان و زمین کا مرکز حکومت ہے۔

آپ نے دیکھا کہ ایک حقیقت کس طرح دوسری حقیقت کی راہ کھولتی جاتی ہے۔
باطل اور باطل میں ٹکرائیں، ایک حقیقت کے آشکار ہونے سے موافقت

رکھتی ہیں اس لئے جب ایک حق آدمی پر منکشف ہوتا ہے تو وہ اس کی پہلے سے معلوم حقیقتوں کے ساتھ ایک نئی مناسبت کو منظر عام پر لاتا ہے۔ دنیاوی علوم میں بھی یہ امر مشاہدہ میں آتا ہے کہ علم میں نیا اضافہ پہلے علم میں کئی پہلوؤں سے اضافہ کر دیتا ہے کیونکہ ایک حقیقت بہت ساری حقیقتوں کو روشنی میں لانے کا باعث ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علما چھوٹی سے چھوٹی حقیقت جاننے کے لئے بھی بے تاب ہوتے ہیں کیونکہ کوئی حقیقت اصل میں چھوٹی نہیں ہوتی بلکہ جن نئی حقیقتوں کا دروازہ کھول دیتی ہے ان کی عظمت کے باعث یہ خود عظیم ہوتی ہے۔

قرآن کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ جب جب اس کے علم میں تم اضافہ کرو گے یہ اس کے معانی پر سے پردہ اٹھا دے گا۔ کسی شخص کے لئے یہ روا نہیں کہ جب تک حق ثابت نہیں ہوا اور شک کا پردہ باقی ہے وہ قرآن کی کوئی تاویل بیان کرے۔ کیونکہ جو چیز حق نہیں ہوتی اس کا تار و پود خود ہی بکھر جایا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنے نفسانی اوہام اور سروں میں سمائے ہوئے سودا کے مطابق قرآن کی تفسیر کی ان کی حماقتیں ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ لہذا یہ امر واجب ہے کہ آدمی قرآن کی واضح و محکم آیات کو اور مشہور ذخیرہ خبر میں سے جو کچھ ثابت ہو اس کو مضبوطی سے پکڑ لے۔ اسی طرح ہر حق کو جس کا انکشاف ہو مضبوطی سے پکڑنا ضروری ہے یہاں تک کہ اس حق کو بھی جو کسی دوسرے علم کے ذریعے سے آئے۔ صرف اس حق کو لینا کافی نہیں جس کو لوگ ذہنی تیاری کے لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ بطور رہنما کام آئے گا۔ اس کی حیثیت محض ایک رائے اور اندازہ کی ہوتی ہے۔ اصل علم تو خدا کے خیر کی طرف سے آتا ہے۔

یہیں سے پختہ کار علماء کی علم کے بارے میں احتیاط سمجھ میں آتی ہے۔ وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے بلکہ صرف اس بات پر اعتماد کرتے ہیں جو روشن ہوتی ہے۔ ایک مقلد جس کی آنکھیں باطل کی چمک سے چندھیا گئی ہوں جہاں مشکل میں پڑ جاتا ہے وہاں یہ عمارت جاتے ہیں اور لا اعلیٰ (میں نہیں جانا) کہنے کی طرف ان کا میلان زیادہ ہوتا ہے۔

میں نے حضرت ابوبکرؓ کا یہ قول سنا ہے کہ اے ارض! تقلعی و اے سماء! تظلمنی ان قلت بسلاما اعلم! اگر میں اس چیز کے بارے میں کلام کرو جس کا علم نہیں رکھتا تو کون سی زمین مجھے اٹھائے گی اور کون سا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا! اسی طرح امام مالکؒ کا قول ہے عندی من لا ادری ما لو کان مشلہ عند احد من الابل کان غنیا! میرے پاس میں نہیں جانتا، کا اتنا ذخیرہ ہے کہ تم میں سے کسی کے پاس اتنے اونٹ ہوں تو وہ غنی ہو جائے، محض رائے یا جھوٹے اندازے پر مبنی بات کرنے سے جب آدمی کن راہ کش ہو جائے تو پھر جو کچھ باقی رہتا ہے وہ واضح اور ثابت حق ہوتا ہے۔

قرآن فہمی کے لئے ہر علم صحیح کا حصول مفید ہے

جب تم یہ بات جان چکے کہ ہر نیا حق قرآن کے معانی کا ایک نیا پہلو واضح کرتا ہے جو ان ثابت حقیقتوں کا اثبات، تائید اور وضاحت کرتا ہے جو پہلے سے تمہارے پاس ہوتی ہیں، تو قرآن کے فہم ہی کی خاطر یہ لازم ہوا کہ آدمی ہر علم صحیح کو حاصل کرے۔ ہمارے نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا کہ الحکمة ضالة المؤمن (حکمت مومن کی ایک گمشدہ متاع ہے) تو آپ نے اسی چیز کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی تھی۔ اسی سبب سے صحابہ کرام علم حاصل کرنے کے بڑے حریص تھے۔ وہ جو کچھ نہیں جانتے تھے اس کے بارے میں برابر سوال کرتے اور جواب سنتے۔ اللہ تعالیٰ نے نعمتیں اپنی مخلوق میں بانٹ دی ہیں تاکہ وہ سب ایک دوسرے سے ملیں اور باہم تعاون کریں۔ لہذا اگر تمہارے پاس ایک قیمتی موتی ہو تو اس پر اترا نہ کا فائدہ؟ اللہ تعالیٰ کے پاس اس سے کہیں زیادہ بیش قیمت موتی معلوم نہیں کتنی تعداد میں ہوں گے۔ اسی لئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ (یوسف ۷۶) اور ہر علم والے سے بالاتر ایک علم والا ہے۔

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ کے واقعات میں اس بارے میں نہایت دل نشین سبق موجود ہے۔ پس کوئی شخص خواہ وہ خود ہی نبی ہو، علم حاصل کرنے سے بالا نہیں ہوتا اور سوال کرنے سے قدر و منزلت میں کمی نہیں ہوتی بلکہ اصناف ہوتا ہے۔ تمہارا یہ کہنا روا نہ ہو گا کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں، قرآن میرے لئے کافی ہے، قرآن اتنا کافی ہے لیکن

وہ اسی طرح کافی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کافی ہے۔ کیا تمہیں اس سے مانگنے اور جدوجہد کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی جب کہ انسان تو وہی کچھ پاتا ہے جس کے لئے وہ جدوجہد کرتا ہے۔ کیا سورج کی روشنی تمہارے لئے کافی نہیں ہوتی لیکن اس کے کافی ہونے کے لئے یہ بھی تو ضروری ہوتا ہے کہ تم تاریکیوں اور پردوں میں سے نکل کر باہر آ جاؤ۔ ہر لاعلمی ایک پردہ ہوتا ہے اور ہر حق روشنی۔ روشنی کو حاصل کرنے کے لئے ہمہ وقت آمادگی لازم ہے۔

قرآن پر تدبر واجب ہے

قرآن مجید میں تدبر و تفکر کے واجب ہونے کی متعدد دلیلیں بیان ہوئی ہیں مثلاً:

- الف۔ قرآن مجید نے متعدد آیات میں صراحت کے ساتھ اس کا حکم دیا ہے۔
- ب۔ قرآن مجید کی بعض آیات میں تدبر، استدلال اور غور و فکر کے مواقع کی نشان دہی کر دی گئی ہے مگر تدبر کے بعد ان سے جو حقیقت کھلتی ہے اس کو بیان نہیں کیا گیا بلکہ اس کو قاری کے فہم پر چھوڑ دیا ہے۔

- ج۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح احکام شریعت کی تعلیم دینے پر معہور تھے اسی طرح حکمت کی تعلیم بھی آپ کی ذمہ داری تھی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم دی، اس کا شوق دلایا اور حکمت کی راہوں کی طرف رہنمائی دی۔ آپ کا دستور یہ تھا کہ کبھی کبھی صحابہ کرام کے سامنے کوئی مسئلہ پیش فرما دیتے تاکہ وہ خود اس سے کوئی نتیجہ اخذ کریں۔ مثلاً صحیح بخاری میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا کہ درختوں میں وہ کون سا درخت ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے اور وہ مسلمان سے مشابہت رکھتا ہے۔ لوگ صحرا کے درختوں کا سوچنے لگے۔ عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ میرے دل میں کھجور کے درخت کا خیال گزرا۔ پھر لوگوں نے عرض کی ”یا رسول اللہ! آپ ہی ارشاد فرمائیں۔“ حضورؐ نے فرمایا ”یہ کھجور کا درخت ہے۔“ حضورؐ نے سوال کرنے سے بھی منع فرمایا تھا۔ منع سوال کا مقصد دوسرے مصالح کے علاوہ یہ تھا کہ لوگ بھی عقل اور سمجھ کا استعمال نہ کر سکیں۔ صحیح بخاری باب العلم میں حضرت

ثابت بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

”ہمیں قرآن میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرنے سے روکا گیا تو ہمیں اس بات سے خوشی ہوئی کہ دیہاتیوں میں سے کوئی عقل مند آدمی آدمی اگر حضورؐ سے سوال کرے جبکہ ہم سب اہل ہوں؟ یہاں حضرت ثابتؓ کا منع سوال سے اشارہ آیت یٰٰذَايُكَايَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا

تَسْأَلُوا عَنِّ اشْيَاءَ اِنْ تَبْخَذُكُمْ تَسْئَلُكُمْ (مائیدہ: ۱۰۱) (اے ایمان والو! ان چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو جو اگر تمہارے لئے ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں) کی طرف ہے اور ”عقل مند آدمی“ کہنے سے ان کی مراد شاید یہ ہے کہ کسی اہم اور مفید معاملہ میں سوال کرتا۔ صحابہ کا طریقہ یہ تھا کہ اپنی مجلسوں میں قرآن مجید کے معانی کے بارے میں سوال کرتے اور ان پر سوچا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ لوگوں سے پوچھا کہ سورۃ نصر میں کس بات کا اشارہ ہے۔ مجلس میں جتنے بڑے لوگ تھے ان میں سے کوئی اس سوال کا جواب نہ دے سکا۔ البتہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنی رائے ظاہر کی جس کی حضرت عمرؓ نے تصدیق کی۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کے اندر فہم قرآن اور تفقہ فی الدین کا شوق دیکھا تو ان پر زیادہ عنایت کرنے لگے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید سے استفادہ کا دار و مدار اس کے سمجھنے پر ہے یہ کام بڑا غور و فکر چاہتا ہے۔ ہمارے یہاں لوگوں نے جب آیات اللہ میں غور و فکر ترک کر دیا تو سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت قرار دینے لگ گئے۔ یہ حقیقت کتنی تکلیف دہ ہے کہ خود اہل حق کے اہل حق اور باطل مشتبہ ہو جائیں اور ان کے اندر حق کی بجائے باطل کی عصیت پیدا ہو جائے۔

حَوَاشِی

- ۱۔ یہ اشارہ حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ کی طرف ہے کہ انھوں نے اسرار کا علم حاصل کیا تو اس کے بعد ملائکہ تخلیق آدم کی مصطوتوں سے بہرہ ور ہو گئے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تربیت متقاضی ہوئی تو ان کو حکمت کے رموز سیکھنے کے لئے حضرت کے پاس بھیجا گیا۔ (مترجم)
- ۲۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب طرح الامام المثلۃ علی اصحابہ ليعتبروا عتدہم من العلم۔
- ۳۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب القرۃ والعرض علی المحدث۔

۴۔ صحیح بخاری، کتاب النفس، باب قول اللہ ”ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجاً“
 © rasailojaraid.com (تدبر جنوری ۱۹۹۳ء)